

# سحاب مران

تاشه بنت ضياء



# شاہمران



از قلم تاشہ بنتِ ضیاء

All Rights Reserved

**Copyright:** Tasha bint-e-Zia (Author)

**Published by:** Safar-e-Adab

**Published On:** safareadab.com

---

To get published with us, contact us via email or website:

[safareadab.com](http://safareadab.com)

[safareadab@gmail.com](mailto:safareadab@gmail.com)

[khanumaira@safareadab.com](mailto:khanumaira@safareadab.com)

[adab@safareadab.com](mailto:adab@safareadab.com)

---

**Note:** We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

## ضروری بات

شاہمران کے تمام جملہ حقوق لکھاری "تاشہ بنت ضیاء" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہوگی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔





نوٹ:

شاہمران کی کہانی کی جڑیں مشرق وسطیٰ کے قدیم ادب میں پائی گئی ہیں، جیسے کہ ایک ہزار ایک اربک نائٹس کی کہانیوں میں، بھلیجہ کی کہانی: ایک زیر زمین ملکہ۔  
یہ لوک کہانی اب بھی اناطولیہ کے مشرقی حصے اور جنوب مشرقی ترک برادریوں میں موجود ہے۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE  
پیش کیا جانے والا شاہمران کا قصہ قدیم کہانی اور موجودہ پاکستانی عناصر کے ملاپ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

## انتساب

یہ کہانی صرف ایک تنبیہ ہے  
انکے لیے جو سمجھتے ہیں دھوکا قابلِ معافی ہے۔  
BEING THE STRING OF YOUR KITE اور محبت زہر ہے۔

یہاں قدیم راتیں دنوں کی قبروں پر سر جھکائے گری پڑی ہیں۔

جہاں حروف آنکھوں میں جل چکے ہیں۔

قدم قدم پر پڑی ہیں صدیاں۔

وفا کی چتا سے راکھ اڑ رہی ہے۔

یہیں کہیں دل گر گئے ہیں، کھو چکے ہیں۔

دلوں میں بستے سبھی صحیفے نظر آتش ہو چکے ہیں۔

پیشین گو نے کہے تھے چند لفظ، ہوا اب تک سسک رہی ہے۔

کھنڈروں کی اس زمیں پر محبت کب سے بھٹک رہی ہے۔

قسط نمبر: 01

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE



پورا چاند اور ادھورا وعدہ۔

کسی صحر میں گزرتی گرمی کی ایک شام کا منظر۔

یہ بلوچستان کے نواح میں سلیمانی پہاڑوں میں سے ایک اونچا مقام ہے اتنا اونچا کہ نیچے سے دیکھنے والے کو گمان ہو شاید خدا نے اسے کسی پاتال میں لاپھینکا ہے۔

سر کو آسمان کی طرف اٹھاؤ تو دیکھنے والے کو وہاں ایک خستہ حال سانس دکھے گا۔ مگر اس نفس کے چہرے پر موجود پچھتاوے کی لکیروں میں بے بسی سے مدغم ہوتی جھریاں دیکھنے والے کو اتنے فاصلے سے نہیں دکھیں گی۔

ایک ساعت بیتی۔۔ سورج تھوڑا اور مغرب کی سمت سرکا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

اور دیکھنے والی آنکھ نے پلک ہی جھپکی تھی کہ وہ نفس اسکے سامنے موجود بڑے ٹیلے نما پتھر پر گر پڑا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسکے کڑوے خون اور نمک ملے آنسوؤں نے مل کے شاید کوئی ایسی مہک ایجاد کی ہے جو سانپوں کو اپنی طرف بلاتی ہے۔

نفس نے اپنی طرف بڑھتے تین چار سانپوں کو دیکھا۔ اور اپنی زندہ بچ جانے پر رونے لگا۔

کیسا انسان ہے۔۔ موت سے ملنا چاہتا ہے۔ ایسی شدت سے کہ اپنی موت اسکو دینے کا دل چاہے۔

ساری دنیا کے لیے موت کے بعد اگلے جہاں میں زندگی ہوتی ہے۔ اس کے لیے اسی دنیا میں ہر بار موت کے ساتھ زندگی ہوتی ہے۔ کیسی نا انصافی ہے۔

کایا

نئے لوگ، نئی جگہ

سبی ایئر پورٹ سے باہر نکلتے ہی ان دو جوہات کی وجہ سے ہونے والی گھبراہٹ نے مجھے وقتی طور پر اس تناؤ سے آزادی دی تھی جو مجھے پوری فلائٹ کے دوران ہوتا رہا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

نہیں۔۔ غلط۔

یہ تناؤ تو مجھے کم و بیش زندگی کی پچھلی دو دہائیوں سے گھیرے رہا ہے۔۔ ہاں کبھی کبھی یہ تناؤ بڑھانے غصہ اور پرانی یادیں بھی آجاتی تھیں۔

ایئر پورٹ سے باہر آتے ہی سڑک کنارے کھڑی گاڑیوں کے پاس موجود ہر عمر کے مردوں نے مجھے اپنی گاڑی کی طرف متوجہ کرنا چاہا۔

گھار (باجی)، میڈم، کجاروغی ایس (کہاں جانا ہے؟)، یہاں آجائیں، اے سی والی گاڑی ہے، کی آوازوں کے ساتھ ان کی سامان کھینچنے کی کوشش نے مجھے حواس باختگی میں مبتلا کر دیا تھا۔

میں عام طور پر بڑی پر اعتماد لڑکی ثابت ہوئی ہوں مگر اس بلوچی لب و لہجے والی اردو اور میری نئی جگہ پر سامان سے ہاتھ دھو بیٹھنے کی سوچ نے مجھے بڑی فطری سی گھبراہٹ میں ڈال دیا تھا۔

اتنے میں پیچھے سے ایک شخص نے آکر انکو بلوچی میں سخت لہجے میں کچھ کہہ کے دور ہٹایا اور میری طرف دیکھا۔

"تاخیر کے لیے معذرت بانک (میڈم)، مجھے مس دُرناز نے بھیجا ہے آپکو پک کرنے۔ آپ کا یاڈینیر ہی ہیں نا؟" بلوچی لہجہ، بھاری آواز۔

"یس میں ہی کا یاڈینیر ہوں۔ اتنے لیٹ نہیں ہوئے آپ۔ کیا میرے رہنے کا انتظام ہوا؟"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"جی! چلیں میڈم!"

میرا ہینڈ کیری اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اسنے سڑک پار کھڑی گاڑی کی طرف قدم بڑھائے۔

## شاہس

"سامنے پہاڑ ہیں، بے شمار پہاڑ، ایسے پہاڑ جن کی چوٹیوں پر سیاہ سانپوں کی کھالیں پگھل رہی ہیں۔ میں کس سے بھاگ رہا ہوں۔ ہر انکار کے بعد آخر فرار کیوں میرا واحد حل بنتا ہے۔"

"چھوڑو بھی شاہس۔ خواب ضروری نہیں کوئی مطلب ہی رکھتے ہوں۔ تم نے بس اپنے گھر والوں کی باتوں کو سر پہ سوار کیا ہوا ہے۔"

نبراس نے میرے سامنے بیٹھے مجھے اپنے کان میں موجود سلورسٹڈ کو مسلتے دیکھ آرام سے سمجھایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بار بار ایک ہی خواب سناتا ہوں ہر بار ایک ہی جواب دیتے ہو۔ تم سے زیادہ تو آجکل میرے فون کا اے آئی کنسول کر لیتا ہے۔" میں نے رات کی خواری کا زہر اس پہ انڈیلا۔

"بیٹے۔ تمہیں کنسولنگ کی نہیں نئے سرے سے سکولنگ کی ضرورت ہے۔ ہنہہ!" اسنے گھڑی پر نظر ڈالی۔ "اے آئی صبح کے چھ بجے تمہارے ساتھ یہ سڑی ہوئی کافی پینے تو نہیں آیا؟" نبراس نے آنکھیں میچتے کسی قدر دکھ سے پوچھا جیسے کہہ رہا ہو چچ تمہارا دوست اتنا بھی نہیں کر سکا۔



"تمہاری طرح بے روزگار نہیں ہے نا وہ.." میں نے ہاتھ جھلاتے ہوئے ٹیبل پر سے فون اٹھایا اور باہر نکل گیا۔

"کم بخت دوست بھی آجکل دشمن پینگ میں آرہے ہیں۔ سانپ کہیں کے.." نبراس نے پیچھے سے اٹھتے ہوئے با آواز بلند خالی کیفے کو سنایا مگر دروازہ کھول کے باہر نکلتے میری سماعتوں نے نہ صرف اچھی طرح یہ جملہ سنا بلکہ میرے دماغ نے آج کے دن کے مزید برباد ہونے کا زمہ دار بھی مجھے ہی قرار دے دیا۔



کایا

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آج کا دن ہی حادثہ تھا۔

اور ان حادثوں کی وجہ سے میری کچھ دیر قبل کی گبھراہٹ اب بے زاری میں بدل چکی تھی۔

گاڑی میں بیٹھنے کے کچھ دیر بعد ہی مجھے سانول نے سگنل پر رکتے ٹھنڈے بلیویری سلس کا گلاس لاتھمایا۔

مارچ کی گرمی میں سلس نے میرے اعصاب کو کسی قدر پر سکون کیا۔ میں پر سکون سی ہو کے اپنا فون چیک

کرنے لگی جہاں میڈم دُرنا نے مجھے یونیورسٹی کا ایڈریس ناصرف لکھ کر بھیجا تھا بلکہ پاکستان میں چلنے والی

آنلاین ٹیکسی سروس مینگو ایپ کالنگ بھی بھیج رکھا تھا۔ ساتھ ہی ایک وائیس میسج جس میں وہ مجھے تاکید کر رہی تھیں کہ میں دن دو بجے سے پہلے ہی یونیورسٹی پہنچ جاؤں۔ اور کسی لوکل ٹیکسی میں آنے سے گریز کروں کہ وہ مسافروں سے ٹرپل کرائے لوٹتے ہیں۔

ابھی میں فون کان کے ساتھ لگا کر یہ سن ہی رہی تھی۔ کہ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی اور ہاتھ میں پکڑا سلس کا گلاس چھلک کر میرے سفید موتیوں والے ٹاپ کو نیلا کر گیا۔ حادثہ نمبر ایک۔

میں نے ہونٹ بھیچ کر سامنے دیکھا جہاں سانول کھڑکی سے باہر لٹک کر سائیڈ سے کٹ مار کر اچانک سامنے آنے والے دو چودہ پندرہ برس کے موٹر بائیک سواروں کو بلوچی میں تیز تیز کچھ کہہ رہا تھا۔ جب ہم ہوٹل پہنچے تو میں نے باہر ریسپشن پر موجود ڈشوز سے شرٹ صاف کرنے کی کوشش کی مگر چیچے پن سے میری جان جا رہی تھی۔

سانول تو باہر سے ہی میرا ہینڈ کیمرے حوالے کر کے جا چکا تھا۔ یہ ایک تھری سٹار ہوٹل تھا اور کیونکہ رہائش میری اپنی ذمہ داری تھی اس لیے میرے بجٹ میں یہی مناسب تھا۔

میں نے ریسپشن پر موجود لڑکی کی مسکراہٹ کے جواب میں سنجیدگی سے اپنے بکنگ نیم اور روم نمبر کا بتایا۔  
"کایا فرام ترکی۔ روم نمبر ٹو ٹوون۔"

لڑکی نے کی بورڈ پر انگلیاں چلائیں پھر اسکے چہرے پر تشویش اترنے لگی۔ اسنے کال کر کے کسی کو بلایا۔ تب تک میں اچھی خاصی بے زار ہو چکی تھی۔ بلیک سٹاف سوٹ میں آنے والے نے اپنا تعارف ہوٹل کے مالک

کے طور پر کروایا۔ گویا وہی مینیجر وہی مالک۔ چند منٹ لڑکی کے ساتھ کھسر پھسر کے بعد وہ ایک چپکو مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا۔

"ایسا ہے میڈم، کہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے آپ کا روم آج صبح ہی کسی مایا کو دیا جا چکا ہے۔ اور اب ہوٹل میں کوئی روم خالی بھی نہیں ہے۔ ہم معذرت چاہتے ہیں۔"

میرا دماغ بھک سے اڑا۔ حادثہ نمبر دو۔

"معذرت مطلب۔۔۔ میں نے آدھی پیمینٹ کر رکھی ہے۔ میں دوسرے ملک سے آرہی ہوں اور مجھے دو گھنٹے کے اندر کہیں پہنچنا ہے۔ اب میں کہاں جاؤں؟"

انکی لاکھ معذرتوں اور میرے لاکھ بگڑنے پر بھی ظاہر ہے وہ پہلے سے کمرے میں موجود مہمان کو باہر نہیں کر سکتے تھے۔ سو ہوٹل کے مالک نے پیمینٹ واپس کرنے کے علاوہ مجھے ہوٹل کی گاڑی میں کسی قریبی ہوٹل لے جانے کی آفر کی۔

میں نے بے بس ہوتے ہوئے قدم اسکے پیچھے بڑھائے اور کچھ دیر بعد اپنے سامنے موجود اس خستہ سی بلڈنگ کو صدمے سے دیکھ کر تیز نظروں سے پیچھے دیکھنا چاہا مگر تب تک مالک وہاں سے گاڑی سمیت جا چکا تھا۔

میں نے دائیں کلائی میں موجود روز گولڈ گھڑی کو دیکھا اور ٹائم کم ہونے کی وجہ سے فی الحال اسی پر گزارہ کرنے کے سوچ کر اندر کی طرف قدم اٹھائے۔ یہ ایک ہوٹل کم اور لوکل لاج ٹائپ زیادہ تھا۔ چھوٹے سے

ریسپیشن میں کھانے کے ڈبوں، فائلوں اور الابلا میں گھری کرسی پر ایک کرخت سے چہرے والی ادھیڑ عمر عورت بیٹھی تھی۔ اس سے نپٹنے کے بعد اس وقت میں اس کمرے میں موجود تھی جس کو کھولتے ہی دائیں طرف دروازے کے پیچھے ایک بیسن لگا تھا اور ساتھ اندر چھ قدم لمبی اور چار قدم چوڑی گلی کے اختتام پر اتنا چھوٹا سا اثر و م تھا کہ انسان صرف کھڑا ہو سکے۔

دروازے کے بالکل سامنے سنگل بیڈ تھا اور بائیں طرف کی دیوار پر عجیب کٹے پھٹے سٹیکرز والی الماری کے ساتھ ہی کافی بڑی کھڑکی تھی جس سے روڈ پر چلتی گاڑیوں کا شور اور دھوپ ایک ساتھ اندر آرہے تھے۔ کمرے کو دیکھتے ہی ایک بار پھر میرے اندر اس شخص کے لیے زہر ابلنے لگا جس کی وجہ سے میں یہاں موجود تھی۔

بہر حال دو بجنے میں ڈیڑھ گھنٹہ تھا اور یہاں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے میں اپنی کوئی نئی شرٹ پر یس نہیں کر سکتی تھی۔ حادثہ نمبر تین۔

میں نے اسی شرٹ کو دھو کر کھڑکی پر لٹکایا جو کم سے کم اس تیز دھوپ میں دس منٹ میں سوکھ جاتی۔ ایپ پر یہاں سے یونیورسٹی بیس منٹ کی دوری پر دکھائی دے رہی تھی سو میرے پاس اپنے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کا کافی وقت تھا۔



جب میری انگلیوں پر جلن سی ہوئی تو مجھے احساس ہوا کہ ان حادثوں کی لسٹ بناتے ہوئے میں ہاتھ میں موجود سگریٹ بھول بیٹھی تھی۔ اور وہ جل جل کے اپنے اختتام پر تھا۔ گہری سانس لیتے میں نے سگریٹ کو فرش پر پھینک کر اپنے سفید جاگر سے مسلا۔

"کیا میں پچھتا رہی ہوں یہاں آکر؟" میں نے دل میں سوچا۔

"نہیں! پچھتاوے۔۔۔۔۔ صرف انہیں چیزوں کے ہونے چاہئیں جو آپ کر نہ سکے۔۔۔ کچھ کر کے اس پہ پچھتانا مجھے نہیں آتا تھا۔"

میں شیور تھی۔



کایا

میں نے دور سے ہی میڈم ڈرناز کو دیکھا۔ وہ میری طرف بڑی گرمجوشی سے بڑھ رہی تھیں۔ میری دائیں طرف یو۔او۔ایس یعنی یونیورسٹی آف سبی کے لان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا اور بائیں طرف کلاس رومز۔

"میں لال کایا، وشتا تکے" (میری پیاری کایا، خوش آمدید)

وہ غالباً سینتیس یا اڑتیس کی عمر کی لمبے بالوں کی چوٹی کے ساتھ دراز قد خاتون تھیں۔ چہرے پر ملاحظہ اب بھی ویسی تھی جیسی آج سے دو سال پہلے تب تھی جب وہ پہلی بار مجھے انطالیہ سلیم یونیورسٹی میں ملی تھیں۔

میڈم ڈرناز سالانہ ہونے والے بین الاقوامی آرٹ اینڈ آئیڈیا ایگزیشن میں پاکستان کے پینل کے ساتھ آئی تھیں اور میں اسی یونیورسٹی کی گریجویٹ سٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے اس ایونٹ کے منتظمین میں شامل تھی۔ میڈم ڈرناز میرے ساتھ انسٹاپریڈ ہونے کی وجہ سے اب تک رابطے میں تھیں۔

اب اپنی ماسٹرز کی ڈگری کے دوسرے سال ہی مجھے پاک ترک انٹرن ایسچینج پروگرام کے تھرو سبی کی اسی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لیکچرار شپ انٹرنشپ تین ہفتے کے لیے ملی تھی جہاں میڈم ڈرنازا ایچ۔ آر آفس میں کام کر رہی تھیں۔ یوں میرے لیے نئی جگہ کے مسائل کافی حد تک کم ہو چکے تھے۔

"مرحبا میڈم، تئی منّت وار" میں نے زراسا سر جھکا کر اپنی پیلی ٹخنوں کو چھوتی سکرٹ کو ایک طرف سے اونچا کرتے میڈم کو سلام کیا۔

"ارے آپ نے تو بچے میرا دل خوش کر دیا۔ یعنی تیاری کے ساتھ آئی ہو۔"

میڈم غالباً میرے بلوچی بولنے پر حیرت زدہ تھیں۔

"تیاری کے ساتھ مگر تھوڑا سالیٹ، سوری"

"پاکستانی قوم کو وقت کی اتنی قدر نہیں ہے۔ تم وقت سے پہلے ہی ہو۔" میڈم نے ہنستے ہوئے مجھے ہاتھ سے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ ہم کاریڈور میں چار قدم آگے چل کے بائیں طرف موجود سیڑھیوں سے اوپر چلے آئے۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم تھوڑا جلدی آگئیں میرے کہنے پر"

"ارے نہیں میرا اپنا ذاتی کام بھی تھا۔" میں نے لیپ ٹاپ بیگ دائیں سے بائیں ہاتھ منتقل کرتے ہوئے کہا۔

"پاکستانی بچے زرا گڑے ہوتے ہیں۔ میں پہلی کلاس میں وہاں ہی رہوں گی۔ باقی مجھے امید ہے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" میڈم نے کلاس جی نائن کے سامنے رکتے ہوئے مجھے کہا۔

یونیورسٹی میں بچے؟ دل میں سوچنے کے باوجود میں نے آنکھوں سے انکی تسلی کروائی اور کلاس میں داخل ہو گئی۔ میڈم جا کر سب سے پیچھے بیٹھ گئیں۔

یہ بالکل ویسی ہی کلاس تھی جیسی عموماً ہوتی ہیں۔ سامنے روسٹرم۔ اور روسٹرم کے سامنے گولائی کی صورت موجود ہر پچھلا بیچ آگلے سے تھوڑا مزید اونچائی پر نصب تھا۔

مگر خیر یہ بالکل ویسی کلاس بھی نہیں تھی۔ کیونکہ بیس سے پچیس سال تک کے "بچے" بیچوں پر سے اچھلتے کاغذ کے جہاز اڑاتے واقعتاً بچے بنے ہوئے تھے۔ کہیں پر لڑکیوں کا گروپ فون پر کوئی چیز دیکھتے بحث میں مصروف تھا تو کچھ سٹوڈنٹس فون پر ہی تیز تیز ٹائپنگ پر لگے تھے۔

میں نے روسٹرم پر جا کر لیپ ٹاپ بیگ سے نکالتے اسکو پرو جیکٹر سے اٹیچ کیا۔

اپنی دانست میں تالی بجاتے میں نے کافی اونچی آواز میں مرحبا کہا تھا مگر چالیس پچاس کی موجودگی میں مجھے اپنی آواز بھی بمشکل ہی سنائی دی تھی۔ اتنے میں کلاس روم میں ایک نئی لڑکی داخل ہوئی جس نے مجھے مسکراتی نظر سے دیکھتے اپنا پنک سکارف درست کیا اور بیچ کی طرف بڑھ گئی۔

میں نے گہری سانس لیتے میڈم دُرناز کی طرف نگاہ کی جنہوں نے مجھے حوصلہ افزا نظروں سے دیکھا۔



"تم سب تباہ ہونے والے ہو" والیوم ہنڈرڈ۔

سب کی گردنیں مڑیں جو جہاں تھا وہیں سٹل ہو گیا۔ آواز بھنبھناہٹ میں بدلتے ایک دم رکی۔

"اور میں تم سب کو بچاؤں گی" والیوم سیونٹی۔ "میں یہاں تم سب کو بچانے ہی تو آئی ہوں۔" سب اپنی

اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے۔

"مرحبا! میں ہوں تم سب کی مسیحا"



BEING THE STRING OF YOUR KITE

شاہس

میرا موڈ خراب تھا۔ اسی لیے میں گھر میں گونجتی گرزین کی آوازیں سن کر بھی ان سنی کر رہا تھا۔

"شاہس۔۔؟" آواز اب کے کافی قریب تھی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ میری بہنیں مجھے ڈھونڈ نہ سکیں۔

گھر کے پچھلے دروازے سے نکل کر وہ میرے پیچھے کھڑی تھی۔

"کیا بنا رہے ہو؟" میں نے پوری توجہ چاک پر گھومتے مٹی کے گولے پر اپنے مٹی بھرے ہاتھوں پر ہی مرکوز رکھی۔ کہانا میرا موڈ خراب تھا۔

"ناشتے پر بھی نہیں تھے تم۔ یقیناً اس نبراس چپڑا سی سے ملنے چلے گئے ہو گے۔" گرزین کی آواز میں شرارت صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

میری طرف سے ہنوز خاموشی تھی۔ سامنے چاک پر رکھا گولہ اب چھوٹی سی صراحی کی شکل کا تھا۔ بے ڈھنگی صراحی۔

"شاہس براتھ۔ خفا کیوں ہوتے ہو۔ جب تمہیں پتا ہے بابا ایسے ہی کہتے ہیں پھر بحث کرتے ہی کیوں ہو۔ خواہ مخواہ گھر میں مسئلہ بناتے ہو۔" وہ گزری رات ہونے والی بحث کا حوالہ دیتے بولی۔

"کیونکہ وہ غلط کہتے ہیں گرزین۔ تم سب پاگل ہو چکے ہو تم سب کو لگتا ہے وہ آئے گی۔ سب کو بچالے گی۔ سب ٹھیک کر دے گی۔ وہ جس کا اتنا پتا ہی نہیں ہے اسکو تم سب ہیر و بنا بیٹھے ہو۔ بابا قبیلے کے سردار ہیں۔ اگر کچھ کرنا ہے تو وہ کریں۔ کسی کی انتظار میں رہنا بے وقوفی سے زیادہ اور کیا ہے؟" میں نے تلخ لہجے میں اسکو ریلٹی چیک دینے کی کوشش کی۔ جو کہ میں ایک عرصے سے ہی دے رہا ہوں۔ اور جس کی وجہ سے میں اپنے ہی گھر میں متنازع شخصیت ہوں۔

گرزین گھوم کر سامنے آئی۔

"ایسا کیسے کہہ لیتے ہو تم۔ ہم سب یہاں امید پر قائم ہیں۔ انتظار میں ہیں کب سے سارے بیسیک۔ تم متفق نہیں بھی ہو تو کم از کم خانوش تو رہ سکتے ہو۔ بابا صرف آنے والے اچھے وقت کا ذکر ہی تو کر رہے تھے۔ تم خاموش رہ لیتے۔ مگر اناں (نہیں) بھلا رائل کنگ شاہس کب چپ رہ سکتے ہیں۔"

وہ تیز تیز کہہ رہی تھی جب میری مسکراہٹ دیکھ کر ٹھٹکی۔

"چپے؟ (کیا ہے؟)" اسنے ابرو اچکاتے میری طرف دیکھا۔

"تم سب کی انہیں باتوں کی وجہ سے مجھے عجیب عجیب خواب آتے رہتے ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ڈاکٹر گرزین ایسے وہم بھی رکھتی ہے وہم بھی وہ جو پرانے لوگوں کی باتوں پر بیسڈ ہوں۔" صراحتی ویسے بھی خراب ہو چکی تھی میں نے اسے واپس مٹی کے بڑے گولے پر پھینک کر چاک مشین کا بٹن بند کیا۔ موٹر کی آواز بند ہونے پر گرزین کی آواز اور تیز ہو گئی۔

"کیا تمہیں پھر سے وہی خواب آیا؟ پھر بھی تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور یہ وہم نہیں ہیں پیرک (دادا) نے خود بابا کو سب بتایا تھا۔ یہ ہمارے خاندان کا نصیب ہے۔ اور ڈاکٹر ہونے سے پہلے میں بیسیک ہوں۔ جب یہ ممکن ہے نا تو وہ بھی ناممکن نہیں ہے شاہس۔ تم دیکھ لینا یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ جاؤ اب مجھے کام ہے۔ ایشتم کو کہنا میرے کپڑے تیار کروادے۔ مجھے شام کو باہر جانا ہے۔ اور بہنا زکب واپس آئے گی یونیورسٹی سے۔" میں نے لان میں موجود گھر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوتے کہا جو کچن میں کھلتا تھا، جہاں سے گرزین باہر آئی تھی۔

"کہہ دیتی ہوں گُھار سے۔ بابا کے پاس سے ہوتے جانا۔"

میں نے سر ہلاتے کچن میں بنے سنک میں ہاتھ دھونے کے لیے نل کھولا۔

کچھ ساعتوں کے بعد مجھے باہر سے گرزین اور ایشتم کی اونچی اونچی آوازیں آئیں۔

"میں خدا۔ یہ لڑکی پھر میرا نیا پنک سکارف لے گئی ہے۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ بہنازیو نہی ہر چیز پر ڈاکہ ڈالا کرتی تھی۔ یقیناً میرا والٹ بھی کمرے میں خالی پڑا ہو گا۔



کایا

"مرحبا! میں ہوں تم سب کی مسیحا"

کلاس میں ایک مذاق اڑانے والی کھکھلاہٹ گونجی۔

میں مسکراتے ہوئے روسٹرم کے پیچھے سے نکل کر آگے آکر کھڑی ہو گئی۔

"تم سب لوگوں کو یہ مذاق لگ رہا ہے نا۔ جیسے تم لوگوں نے تو کبھی کسی کو بچایا ہی نہیں۔۔۔ سچ بتاؤ کیا کبھی کسی کے ہیر و نہیں بنے۔۔۔ ہاں؟"

اب کے میں نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا جیسے مجھے پتا ہو کہ سب نے ضرور ہی یہ کیا ہے۔

سب کی ہنسی ختم ہو چکی تھی اور اب وہاں ان کے چہروں پر ایک ہی چیز تھی۔ مزید جاننے کا تجسس۔

گڈ۔۔ سیکھنے کے لیے سب سے اہم چیز اب ہمارے پاس تھی۔

میں نے گھومتے ہوئے لیپ ٹاپ کا بٹن دبایا اور سلائیڈ آگے کی۔

وہاں پوری سلائیڈ پر لکھا تھا۔

"ہیر و سینڈرم"

میں واپس کلاس کی طرف گھومی۔

"ہیر و کون ہوتا ہے۔ ہم ہیر و لفظ کو اس شخص کے ساتھ جوڑتے ہیں جو اچھا ہو۔ وہ جس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالایا قربان کیا ہو۔ دوسری طرف سینڈرم ہم منفی استعمال میں لیتے ہیں یعنی بیماری یا مرض۔"

ڈرامائی وقفہ

"گویا آپ سب میں سے جو بھی ہیر و بننے کی کوشش میں لگا رہتا ہے وہ بیمار ہے۔"

میں نے روسٹرم پر سلائڈ آگے کی۔

"تو ہم اسے سائیکاٹری میں ہیر و کمپلیکس، ہیر و سینڈرم، سیویر کمپلیکس بھی کہتے ہیں۔ اصطلاح "ہیر و سنڈروم" کو 1980 کی دہائی کے اوائل میں اس وقت شہرت ملنا شروع ہوئی جب لاس اینجلس کے پولیس افسر جمی ویڈ پیئر سن نے سمر او لمپکس کے دوران ترک او لمپک ٹیم کی بس پر جعلی بم نصب کیا تھا۔ پیئر سن ہی پھر "معجزاتی طور پر" وہ افسر تھا جس نے نہ صرف بم کا پتہ لگایا بلکہ اسے ڈیفیوز کر کے محفوظ جگہ پر جمع کرایا۔ بطور آفیسر پیئر سن کی کہانی پھیلنا شروع ہوئی، بعد میں اسے گرفتار کر لیا گیا اور اس پر متعدد الزامات لگائے گئے۔ "ہیر و" بننے کے لیے پورے ایونٹ کے ساتھ دھوکہ دہی کا اعتراف کرنے کے بعد جولائی 1985 میں پیئر سن کو سزا اس واقعے کے گیارہ ماہ بعد دی گئی۔ پیئر سن نے کہا کہ وہ میٹرو سے باہر منتقل ہونا چاہتا ہے۔ اور جانتا تھا کہ ایسا نہیں ہو گا جب تک کہ وہ ایک "ہیر و" افسر نہ ہو اور محکمہ اسکی "قیمت" کو نہ پہچان لے۔"

میں روسڑم کے آگے ایک طرف سے دوسری طرف واک کرنے لگی۔ میری تیز دھڑکن اب نارمل ہو چکی تھی۔

"ایک ایسے سپر ہیرو کا تصور کریں جو ہمیشہ سٹینڈ بائے رہتا ہے، لیکن ماورائے دنیا کے خطرات سے لڑنے کے بجائے، وہ روزمرہ کی تکلیفوں اور ذاتی مسائل کا مقابلہ کرتا ہے وہ بھی تب جب اس سے ایسا کرنے کو کہا بھی نہیں جاتا ہے۔"

سب مجھے سن رہے ہیں۔ اللہ اللہ کیا میں سہی بول بھی رہی ہوں۔ میں نے دل میں سوچتے ہوئے زرا سا وقفہ لیا اور میڈم ڈرناز کو مسکراتے دیکھ کر مزید بولنے لگی۔

"یہ ان کے دماغ کی چال ہے کہ اگر میں صرف اس شخص کو بچا سکتا ہوں یا اس صورتحال کو ٹھیک کر سکتا ہوں، تو میں قابل قدر اور اہم محسوس کروں گا۔ لیکن وہ اسے کبھی تسلیم نہیں کریں گے، بالکل اسی طرح جیسے سیاستدان کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ الیکشن کمپین کے وعدے جھوٹے تھے لیکن ہم سب سچ جانتے ہیں، کیا نہیں جانتے؟"

میں نے سوالیہ ابرو اچکاتے ایک گہری نظر سب پر ڈالی۔ کچھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلی تو کچھی سنجیدہ ہی رہے۔

"ہر دس میں سے آٹھ لوگوں نے مارول سیریز دیکھی ہوتی ہے مگر کیا میں آپکو بتاؤں آپکے ہیروز آپکے ولینز سے زیادہ زہنی بیمار تھے۔"

کلاس میں ہلکا سا مگر واضح اضطراب نمایاں ہوا۔

آف کورس مارول کس ٹین ایجر کو پسند نہیں ہوتی؟

"ان بیماروں کی پہلی اور سب سے نمایاں خصوصیت ان لوگوں یا حالات کو تلاش کرنے کی ان کی گہری صلاحیت ہے جنہیں 'مدد' کی ضرورت ہے۔ جس طرح اسپائیڈر مین ہمیشہ صحیح وقت پر صحیح جگہ پر نظر آتا ہے، اسی طرح ان لوگوں میں 'ہیرو' کی ضرورت میں 'متاثرین' کو سونگھنے کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔" میں واپس روسٹرم کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی تھی اور اب سلائیڈ شو پر مارول کے ہیروز کی تصویریں چل رہی تھیں۔

"جس طرح تھور اپنے ایس گارڈین دوستوں کی تالیوں کے بغیر تھوڑا سا مایوس محسوس کر سکتا ہے، اسی طرح ہیرو کمپلیکس والے لوگ پہچان کے خواہشمند ہیں۔ انہیں یہ اطمینان چاہیے کہ وہ فرق پیدا کر رہے ہیں، اور یہ اکثر ان لوگوں سے تصدیق کی کوشش کرتے ہیں جنہیں وہ محفوظ کرتے ہیں۔"

میرے خیالات اور میری آوازاں بالکل ہموار تھی۔

"مانیٹرز سے گھرے ہوئے سٹارک کی طرح، ہیرو کمپلیکس والے لوگ اکثر حالات کو کنٹرول کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ وہ اکیلے ہی چیزوں کو 'ٹھیک' کر سکتے ہیں۔ اور تو اور ان کا خود کی دیکھ بھال کا کمپاس ہمیشہ باہر کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ریسکیو مشن پر رہنے والے یہ لوگ کبھی کسی



سے مدد نہیں مانگتے۔ میں اچھا محسوس نہیں کر رہی، مجھے مدد چاہیے، میں یہ نہیں کر سکتا، ایسے جملے آپ کبھی ان کے منہ سے نہیں سنیں گے۔"

میری نظر پنک سکارف والی لڑکی پر رکی۔ اسکے چہرے پر ناقابلِ فہم تاثر تھا۔ یہ تاثر مارول ہیروز کو ٹارگٹ کرنے پر ناپسندیدگی والا تو نہیں تھا۔ مگر میں نے بات جاری رکھی۔

"آئرن مین کی حفاظت کے لیے اس کا سوٹ ہو سکتا ہے، لیکن ہمارے ہیروز میں اکثر خود کی دیکھ بھال کے ہتھیار کی کمی ہوتی ہے، یوں وہ تناؤ اور تھکن کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

اونہوں یہ تاثر وہ بھی نہیں تھا جیسا میری دونوں آنکھوں کے مختلف رنگ ہونے پر اکثر لوگوں کا ہوتا تھا۔ میرا ہیڈ و کرومیا لوگوں کی دلچسپی یا مسحور کن تاثرات کا سبب ہوتا ہے۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں پہچان لینے کے بعد کی بے یقینی تھی۔ میں سائیکالوجی میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔ مجھے تاثرات پڑھنے آتے ہیں۔ مگر مجھے ابھی کسی اور چیز پہ فوکس کرنا تھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ زرا آئرن مین کا تصور اس کے اے۔ آئی اسسٹنٹ جارجس کے بغیر کریں، یہ تقریباً ناقابلِ تصور ہے۔ ہیر و کمپلیکس والے بہت سے لوگوں کو دوسروں کی مدد قبول کرنا مشکل لگتا ہے۔ ہمارے ہیروز اکثر گلٹ میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر وہ کسی کو 'بچا' نہیں سکتے یا کسی صورت حال کو 'ٹھیک' نہیں کر سکتے، تو وہ اپنے آپ کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں، جیسا کہ انکل بین کی وجہ سے اسپائیڈر مین کا گلٹ۔"

میں نے سب کی طرف دیکھتے ایک سوال پھینکا۔

"ویسے کسی نے کبھی سوچا کہ سپر مین خطرے کے باوجود لوئس لین کے ساتھ کیوں رہتا ہے؟"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہیر وز تنہا ہونے سے ڈرتے ہوں۔" فرنٹ رو میں سفید پر نیلے دھاگے کی کڑھائی والا سوٹ پہنے بیٹھی لڑکی نے جواب دیا۔

"بالکل۔" میں نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اسکو دیکھتے بات آگے بڑھائی۔

"یہ ریوارڈ اور ریسکیو کے سائیکل میں پڑے رہتے ہیں۔ یقین کریں یا نہ کریں، ہمارے ہیر وز تنازعات کو ناپسند کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ ہمیشہ بم کو پھٹنے سے پہلے ناکارہ بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ جیسے ہر دوسری فلم میں بیٹ مین۔" میں نے وقفہ لیتے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"اسی طرح جیسے اسپائیڈر مین کبھی کبھار یہ خواہش کرتا ہے کہ وہ تمام جرائم سے لڑے بغیر معمول کی زندگی گزار سکے۔ ویسے ہی یہ لوگ بھی معمول کو ترستے ہیں مگر معمول پر آتے ہی انکو بوریت ہونے لگتی ہے یوں یہ واپس ایسے حالات تلاش کرتے ہیں جہاں انکی ضرورت ہو۔ نیڈ ڈکا احساس ہمارے ہیر وز کے لیے نشہ آور ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایسے حالات میں ڈالنے کے لیے یا ایسے حالات خود پیدا کرنے کے لیے ہر حد تک جاسکتے ہیں جہاں وہ ناگزیر ہوں۔ جیسے کیپٹن امریکہ اپنے بغیر ایو نجرز کو ناکارہ سمجھتا تھا۔ یہ محسوس کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے بنا چیزیں بکھر جائیں گی۔"

میں لیکچر کے اختتام کی طرف بڑھی۔

مگر بچوں۔ یہ بیماری ہے جسے کوئی بھی بیماری نہیں سمجھتا۔ ذرا تصور کریں کہ ایک کمرے میں داخل ہوں اور کہیں "ہیلو، میرا نام ٹونی ہے، اور مجھے ہیر و کمپلیکس ہے۔"

"Because, let's face it, we can't all be the Avengers, and that's totally okay."

تالیاں نہیں بجیں مگر میں جانتی تھی کہ وہ متاثر ہو چکے ہیں۔

میں نے لیپ ٹاپ آف کیا اور بیگ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

آپ نے کل کے ہوم ٹاسک میں ایسے ہی مثالوں کے ساتھ اس بیماری کی وجوہات ڈھونڈ کر لانی ہیں۔  
اوکے۔

Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"شرترین (بہترین) کا یا، مزا آگیا۔ انکو تم پسند آئیں"

میں نے سر کے خم سے تعریف وصول کی۔

شاہس

سڑک پر دور تک شام کے سائے تھے۔ سب سے واپس ڈھاڈر کی طرف آتے ہوئے میری نظر سیل فون پر پڑی جس کا وال پیپر کسی نئے نوٹیفیکیشن کی وجہ سے روشن ہوا تھا۔ پانی میں تیرتی گولڈ فش مجھے سیدھا بابا کے کمرے میں رکھے منی ایکویریم میں تیرتی ان دو مچھلیوں تک لے گئی جو دن کو گول چکر کاٹتے میرا دھیان بار بار بھٹکار ہی تھیں۔

"شاہس۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ میں بس دکھی ہو جاتا ہوں۔ تم چُنے گئے ہو۔ تمہیں اسکی قدر کرنی ہو گی۔ اپنی حقیقت کو تسلیم کرنا سیکھو۔" ٹیبل کے پیچھے کاٹن کے سرمئی سوٹ میں موجود سرمئی ہلکی داڑھی اور سرمئی بالوں کے ساتھ بابا دن کے اس پہر سرمئی سٹڈی کا حصہ معلوم ہوتے تھے۔

"بابا۔ اتنے سالوں سے ایک ہی بات سن سن کر عاجز آ گیا ہوں میں۔ آپ کو کیا لگتا ہے۔۔۔" اس سے پہلے کہ میرا جملہ مکمل ہوتا پیچھے سے آتی گاڑی کے ہارن سے میں حال میں واپس آ گیا۔

"عجیب لوگ ہیں۔ اتنی بھی کیا جلدی۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے پچھلی گاڑی کو راستہ دیا۔ پاس سے گزرنے پر مجھے پچھلی سیٹ پر ہلکے براؤن گھنگھریا لے بالوں کی جھلک دکھی۔

میں نے سر جھٹکتے فون پر آنے والے میسج کو کھولا۔

"آجکی پارٹی میری طرف سے۔۔۔۔۔ آنکھ مارنے والا ایمو جی"

نمبر اس کی طرف سے آنے والے اس میسج نے میرا موڈ بہتر کر دیا تھا۔ میں نے گاڑی واپس سب کی طرف موڑ لی۔

کایا

شام کے نارنجی پن نے دن کی پیلی چھبھتی دھوپ سے لڑ کر آسمان پر اپنا تسلط جمار کھا تھا۔ سلیمانی پہاڑی سلسلے سے زرا اوپر سورج اپنے رنگوں میں ملاوٹ کرتا نظر آ رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً اس منظر کو میں اب تک اپنے فون میں قید کر چکی ہوتی۔ میں نے اپنے انسٹاگرام اکاؤنٹ کی بایو میں لکھ رکھا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

A Nephophile and Aquaphilie

میرے فون میں اسوقت انطالیہ کے کاس کے آسمان اور بحیرہ روم کی سینکڑوں تصویریں موجود تھیں۔ جو میں واقعتاً فوٹا بناتی رہتی تھی۔

مجھے تو اپنا وجود بھی آسمان لگتا ہے۔ نیلے رنگ کے شیڈ سے بنا ہوا، سفید بادلوں کے ساتھ۔۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو خوبصورت آسمانوں سے محبت کرتے ہیں۔ جن کی گیلری طلوع آفتاب، غروب آفتاب

اور آسمان کے بارے میں ہر طرح کی تصویروں سے بھری ہوئی ہے۔ وہ جو پانی یا سمندر سے محبت کرتے ہیں۔ جو تیرنا پسند کرتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ ہم سب کے اندر ہی ایک وافائل ہے مختلف ڈگریوں تک۔ کسی کو بارش دیکھنا پسند ہے تو کسی کو بارش میں بھیگنا۔ کوئی پول کے ٹھنڈے پانی میں پیر ڈال کر آزاد محسوس کرتا ہے تو کوئی سمندر میں جا کر آبی مخلوق کو دیکھنا پسند کرتا ہے۔ کسی کو پانی سے کھیلنا پسند ہے اور کسی کے لیے شاور زدن بھر کی تھکن سے نجات کا ذریعہ۔

آسمانی نیلاہٹ اور آبی نیلاہٹ وہ واحد ہے جو چمکتے سبز کو جنم دے سکتی ہے۔

مگر یہ وہ وقت نہیں تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب میں اپنی زندگی کے ایک بہت بڑے جواب کا سوال ڈھونڈنے جا رہی تھی۔ لوگ سوالوں کے جواب ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔ میرے ساتھ سب ہی الٹے ہیں۔

"تیز ڈرائیو کن۔" (تیز چلائیں گاڑی) میں نے ڈرائیو کو کہا جس کے نتیجے میں اس نے سامنے والی گاڑی کو ہارن دیتے ہوئے اسے کراس کیا۔

کچھ دیر بعد گاڑی دھاڑ کے آباد قصبوں کو کراس کر کے نسبتاً غیر آباد حصے میں آ کے رک گئی۔

میں نے گاڑی سے باہر نکلتے اپنے ہلکے بھورے بالوں کو ماتھے پر آنے سے روکنے کے لیے سن گلاسز کو ہئیر بینڈ کی طرح سر پر ٹکا کر آس پاس کا جائزہ لیا۔ کچی سڑک کے ایک طرف درختوں سے گھرے کھیت تھے

اور دوسری طرف ایک بڑے میدان کے بعد زرد رنگ کا پتھروں سے بنا ایک نسبتاً کھلا مکان تھا۔ اسی روڈ پر اس مکان کے دائیں جانب تھوڑا آگے جا کر ایک زلی سڑک اندر درختوں کے جھنڈ میں جا رہی تھی۔  
میں نے گہری سانس لی۔

اپنے اعصاب کو مضبوط کیا۔

میدان کر اس کیا۔

دھڑکن ہاتھوں میں سنائی دینے لگی۔

برآمدے میں پڑی پرانی لکڑی کی کرسیوں اور میز کے ساتھ موجود دروازے کو کھٹکھٹایا۔

(دستک) تم کر لوگی مرانیہ۔ میں پریشان تھی غصے میں تھی تبھی اپنے اصلی نام سے خود کو بلا رہی تھی۔

(دستک) جواب نہ ارد۔ دل میں آیا واپس چلی جاؤں۔ ساری زندگی کہتی رہوں گی خود سے کہ کوئی تھا ہی نہیں وہاں۔

(دستک) مگر نہیں میں کر کے پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

دروازے کو زور لگایا تو وہ مکمل کھل گیا۔

سامنے ہی آخری سیڑھیوں سے کھلی بلوچی شلوار اور سفید میلی سی ہاف بازو شرٹ پہنے ایک بوڑھا شخص اتر رہا تھا۔

اسنے میری طرف دیکھا اور وہیں آخری سیڑھی پر رک گیا۔

رکنا ہی تھا۔ بی بی کی تصویر دیکھنے والے لوگ کہتے تھے مجھ میں میری ماں کی بہت زیادہ شباهت تھی۔

"جر جیس؟" مجھے یقین تھا یہ وہی ہے۔ اسکے چہرے پر پچھتاوے کا زہر دور سے نظر آتا تھا۔

"میں ہوں" اسنے بوڑھی کھر دری آواز میں کہا۔

میں نے اپنا ہینڈ بیگ چوکھٹ کے ساتھ پڑے سٹول پر رکھا۔ گھوم کر چار قدم آگے آئی۔ دراصل میں اسکو غور سے دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ بھی آخری سیڑھی سے اتر کر سامنے آگیا۔ میں واپس اٹے قدم پیچھے جا کر سٹول کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"تم بھی بیٹھو نا" میں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن میں زور زور سے رونا چاہتی تھی۔ "تمہیں بیٹھ جانا چاہیئے۔"

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ بیٹھنے کے بجائے مجھ سے کچھ قدم دور بلکل میرے سامنے کھڑا تھا۔

"کب سے یہاں رہ رہے ہو؟" میں نے گھر میں نظر گھماتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف کوئی جنبش نہیں ہوئی۔

"ویل اوکے۔ تم ٹھیک ہی ہو۔ میرا بھی خیال ہے تمہید کی ضرورت نہیں ہے تو میں کام کی بات پر آتی

ہوں۔ تم ہی وہ ہو جس نے میری ماں کو چھوڑ دیا تھا۔"



میں خود کو دیکھ نہیں سکتی تھی مگر مجھے پتا تھا اس وقت میری آنکھیں زہر ہوں گی۔

"تم بھاگ گئے تھے۔" میری آواز میں ہلکی سی نمی گھلی۔ "جب وہ بارہ تیرہ سال کی بچی تھیں۔ تم کبھی واپس نہیں آئے نہ خط لکھانہ کال کی۔"

میں اب خود پہ قابو پا چکی تھی۔

"آف کورس تم یہ سب پہلے سے جانتے ہو۔ میں نے بہت بار بی بی کو نیند میں روتے ہوئے سنا۔ وہ ڈراؤنے خواب، وہ نیند میں بولنے کی عادت، شاید پی ٹی ایس ڈی تھا۔ وہ کہتی تھیں۔ بابا آپ مجھے کیوں چھوڑ گئے؟ آپ واپس کیوں نہیں آتے؟" میں یہ سب کسی خبر نامے کے سے انداز میں سنارہی تھی۔

"پتا ہے میں نے بی بی کو بہت بار کہا۔ اب اس آدمی کو بھول بھی جائیں۔ آخر کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ اور اگر نہیں بھول سکتیں تو ہم دونوں مل کے انہیں ڈھونڈ لیتے ہیں۔ انہیں ٹریس کرتے ہیں۔ انکے دروازے پر جا کر ان سے جواب مانگتے ہیں۔ مگر وہ ہمیشہ کہتی رہیں۔ کوئی بھی اس آدمی کو کبھی نہیں ڈھونڈ سکتا۔" میں ہلکا سا ہنسی مگر میں نے اس سارے وقت میں ایک بھی بار اسکی آنکھوں سے نظر نہیں ہٹائی۔

"میں انکی چیزیں دیکھ رہی تھی جب مجھے تمہارا ایڈریس ملا۔ جانتے ہو اسکا مطلب کیا ہوا؟ وہ ہمیشہ سے جانتی تھیں تم کہاں ہو۔ شاید ان میں بس ہمت کی کمی تھی۔"

"تو تم ایلیف کی جگہ آئی ہو۔ جواب مانگنے؟" اسنے کھر در ی آواز میں کہا۔ میں دل میں حیران ہوئی۔ کیسا شخص تھا۔ اسکی آنکھوں میں کسی بھی جذبے کی ہلکی سی بھی پر چھائی نہیں تھی۔

"دراصل! میں آئی ہوں تمہارا شکریہ ادا کرنے۔ تمہاری ہی وجہ سے میری پرورش پھولوں کے درمیان ہو سکی۔ یاد ہے نا تمہیں۔ جانے سے پہلے تم نے بی بی کے ہاتھ میں بیج رکھے تھے۔ تم نے کہا تھا ایلیف تم ان بیجوں کو زمین میں دباؤ۔ پھول کھلنے سے پہلے میں واپس آ جاؤں گا اور پھر ہم باپ بیٹی مل کر ان پھولوں کا خیال رکھیں گے۔ تمہاری واپسی کی امید میں بی بی نے کبھی اپنا باغ اجڑنے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ جب پورے کاس میں خزاں کے زرد پتے اڑتے تھے تب صرف ہمارے باغ میں پھولوں کی خوشبو رہتی تھی۔"

میں نے ہاتھ بڑھا کر میز سے اپنا بیگ اٹھا کر اندر ہاتھ مارا۔ کچھ لمحوں میں چھوٹا سا چار انگلیوں جتنا پلاسٹک بیگ نکال کر میز پر پھینکا۔ اور کرسی سے کھڑے ہو کر دوبارہ اسکی آنکھوں میں آنکھیں گاڑیں۔

"یہ ان بیجوں میں سے ایک ہے جر جیس۔ اب تم یہ انکی قبر پر اُگالینا۔"

میں تائین سانپ جتنے زہریلے لہجے میں کہہ کر باہر نکل گئی۔

اس دس منٹ کی ملاقات کا خواب میں پچھلے دس سالوں سے دیکھ رہی تھی۔

اس دس منٹ کی ملاقات کی تیاری میں تقریباً دس ماہ پہلے ہونے والی اپنی بی بی کی موت کے بعد سے کر رہی تھی۔

اس کے باوجود میں اس دس منٹ کی ملاقات میں دس جملے بھی ایسے نہیں بول سکی جن کو میں پچھلے دس گھنٹوں میں دس ہزار مرتبہ دوہرا چکی تھی۔

ایسے جملے جو اس شخص کے دل کے دس لاکھ ٹکڑے کر سکتے تھے۔

ہاں میں اس شخص سے اتنی ہی نفرت کرتی تھی۔

مگر بے اختیاری نفرت بدترین جذبہ ہے۔ بھلا نفرت میں ایسی بے بسی کا کیا فائدہ جو اسکو تباہ نہ کر سکے جس سے نفرت ہو۔



کایا

روڈ پر آتے ہی میں نے ایک ہاتھ سے اپنے آنسو صاف کرتے موبائل ایپ پر لوکیشن ڈالی۔ رات کا اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے میں واپس سبھی شہر پہنچنا چاہتی تھی۔ مگر ڈھاڈر کا یہ علاقہ آبادی سے دور تھا۔ جس کے باعث دس بیس منٹ گزرنے کے بعد بھی کوئی رائیڈ موجود نہیں تھی۔ نہ یہاں کسی لوکل ٹرانسپورٹ کا نام و نشان تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ میں پہلے کبھی رات کو دیر تک باہر نہیں رہی تھی مگر ایک انجان جگہ پر موجود گی مجھے محتاط رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ میں میڈم ڈرنائز کو کال کر کے کسی کو بھیجنے کا کہتی دور کہیں سے گاڑی کے انجن کے سٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔ میں نے آواز کی سمت درختوں کے اس جھنڈ کی جانب دیکھا۔ کچھ دیر بعد اس ذیلی سڑک سے گاڑی باہر نکل کر میری جانب آتی دکھی۔ ہیڈ لائٹس روشن ہونے کی وجہ سے گاڑی میں کون تھا سمجھ نہیں آسکا۔ اس سے پہلے کے میں لفٹ لینے نہ لینے کا فیصلہ کرتی گاڑی مجھے کر اس کر کے آگے چلی گئی۔

میں دھک سے رہ گئی اب میں کیا کروں گی۔ یہ میں نے کیا کیا۔ اچانک گاڑی رکی اور چند لمحوں بعد ریورس ہو کر واپس میرے سامنے آرکی۔ دوسری طرف سے اتر کر ایک لڑکی میری طرف بڑھی۔ ابھی میرا دماغ پہچان کے مراحل طے ہی کر رہا تھا کہ وہ بلوچی گھیر دار فراک پہنے لڑکی پر جوش سی میری طرف بڑھی۔

"آپ یہاں؟ میم کا یا! آپ ٹھیک ہیں؟"

میں اسکے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گئی۔

اسنے مجھے حیران دیکھ کر مزید کہا۔

"اوہ مجھے نہیں پہچانا ہو گا آپ نے۔ ہم نے دن کو آنکھوں والی ملاقات کی تھی نا۔ میں آپکی سٹوڈنٹ ہوں۔ کتنا اچھا بولتی ہیں آپ۔ اور آپکی آنکھیں۔۔۔۔۔ قسم سے میں تو حیران رہ گئی۔ پہلی بار میں نے ہیڑو کرومیا کے ساتھ کسی کو دیکھا ہے۔"

مجھے یاد آچکا تھا کہ وہ وہی پنک سکارف والی لڑکی تھی جو مجھے کلاس میں عجیب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔  
اللہ اللہ کتنی باتونی ہے یہ۔

"آپ کیوں کھڑی ہیں یہاں؟" وہ واپس اپنے پہلے سوال کی طرف آچکی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں جواب دیتی ڈرائیونگ ڈور کھول کر ایک قدرے بوڑھی پچاس پچپن سال کے قریب بارعب سی شخصیت باہر نکلی۔

"بہناز. چک (بچے) کوئی پریشانی ہے؟" انکی بھاری آواز محسوس کی جانے والی ملاحات اور ہلکی سی پریشانی تھی۔

"اناں (نہ) بابا۔ دیکھیں یہ وہی ہیں۔ میں نے آپکو شام میں بتایا تھا نا۔" اس بہناز نامی لڑکی نے بہت خوش ہوتے اپنے بابا کو بتایا۔

میں حیران ہوئی کہ بھلا ایک نئی آنے والی ٹیچر کے بارے میں وہ اپنے بابا کو کیوں بتائے گی وہ بھی اتنی ایکسائٹمنٹ سے۔ یا شاید یہ جوش میری آنکھوں کی وجہ سے تھا۔

"اوہ۔ یہ وہ ہیں۔ کیسی ہو بچہ آپ؟ یہاں کیوں کھڑی ہو اسوقت؟" انہوں نے غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سر مجھے رائیڈ نہیں مل رہی۔ واپس سہی جانا ہے۔" میں نے بے بسی سے کہتے اپنا فون لہرایا۔ بڑھتی رات کے ساتھ انجان لوگوں کی موجودگی میرے اعصاب پر سوار ہو رہی تھی۔

اسوقت تو بہت مشکل ہے یہاں گاڑی ملے۔ مناسب سمجھو تو آپ ہمارے ساتھ آجاؤ۔ ہم سہی ہی جارہے ہیں۔"

انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے آفر کی۔

میں نے دو لمحے لیے سوچنے میں۔ یہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ مجھے یہ ملاقات کل پر رکھنی چاہیے تھی مگر خیر۔ میں کر کے پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں۔

"جی اگر آپ شہر تک بس لفٹ دے دیں۔"

"نو پر اہلم۔" کہتے ہوئے انہوں نے بہناز کو اشارہ کیا۔

"آئیں بانک" اسنے پچھلا دروازہ کھولا۔

"آپ کا نام تو مجھے پتا ہے بیٹا مگر آپ تو کافی چھوٹی سی ہو۔ ابھی سے استانی بن گئی۔" گاڑی سٹارٹ کرتے روڈ پر ڈالنے کے کچھ دیر بعد انہوں نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

گویا وہ مجھ سے میرا تعارف چاہ رہے تھے۔ میری ہچکچاہٹ دیکھتے وہ مزید بولے۔

"میرا نام البصار آفریدی ہے۔ میرا نیل اسٹیٹ کا کاروبار ہے۔ وہ چھوٹی سڑک سیدھا ہمارے گھر تک جاتی ہے۔ اور سب سے امپورٹنٹ بہناز میری سب سے چھوٹی اور بے حد باتونی بیٹی ہے۔" آخر تک آتے آتے انکا لہجہ شرارتی تھا۔

"بابا!!" بہناز کے لاڈ سے بولنے پر وہ زور سے ہنسے۔

"بابا کی جان۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں بالکل اپنے باپ پر گئی ہے بہناز" میں ان دونوں کی بات چیت پر اچھے سامع کی طرح مسکرا رہی تھی۔

"آپ وہاں کیا کر رہی تھیں میم؟ سب خیریت تھی نا؟" بہناز اچانک پیچھے میری طرف مڑی۔

"آہاں۔ ہاں خیریت تھی۔ وہاں سامنے گھر میں میرے ایک رشتے دار رہتے ہیں جہاں میں کھڑی تھی۔ بس ان سے ملنے آئی تھی۔" میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

میری بات پر البصار صاحب اور بہناز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے چونکے ہوں۔

"چے؟ جر جیس انکل آپکے رشتے دار ہیں؟" بہناز نے حیرانی سے پوچھا۔

"جی! وہ میرے نانا ہیں۔ آپ کیسے جانتی ہیں انہیں؟"

میں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں اصل میں وہ کافی عرصے سے ہمارے لان کی دیکھ بھال کرتے ہیں انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا

آپکا۔" بہناز نے اچھنبے سے میری جانب دیکھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہنہ انہیں خود بھی نہیں پتا تھا شاید۔" میں نے سر جھٹکتے ہوئے تنفر سے کہا۔

بہناز شاید کچھ اور کہنا چاہتی تھی مگر اس سے پہلے اسکے بابا بول پڑے۔

"کایا بیٹا آپکا نام بہت پیارا ہے۔ یہ ترکش نام ہے نا۔ کیا مطلب ہے اسکا؟ صاف محسوس ہوا کہ انہوں نے

موضوع بدلاتھا۔



"جی انکل۔ چٹان یا پہاڑی کو کہتے کا یا ترک میں۔ یہ نام طاقت اور مضبوطی سے جمے رہنے کا سمبل ہے۔ ویسے یہ نام میرا ڈیڈ نے رکھا تھا۔ پیپرزمیں یہ رجسٹر ہے تو سب ایسے مخاطب کرتے مگر بی بی نے میرا نام یہ نہیں رکھا تھا مجھے زیادہ وہی پسند ہے۔ مگر چند ایک دوستوں کے علاوہ اب کوئی نہیں جانتا۔" میں عام طور پر اتنی لمبی بات نہیں کرتی تھی مگر شاید کچھ دیر پہلے اپنے لہجے کی تلخی کا اثر ختم کرنا چاہ رہی تھی۔ میرے خاندانی مسئلوں کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں ان کے سامنے تلخ ہوتی۔

"اور کیا نام ہے وہ؟" البصار صاحب نے موڑ کاٹتے کہا۔

"مرانیہ۔ یہ پرشین نام مران کی تبدیل شدہ فارم ہے۔ بی بی نے میری آنکھوں کو دیکھتے یہ نام دیا تھا مجھے۔" میں نے باہر ویلکم ٹوسی والا سائن بورڈ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے گاڑی میں معنی خیز سی خاموشی چھا گئی ہو۔

میں نے ایسا تو کچھ نہیں کہا تھا۔ میں نے سر جھٹکتے اسے اپنا وہم سمجھا۔ اس وقت صرف ایک کافی کی طلب تھی۔

میں اسوقت کافی بار کے پیچھے کھڑا گلے دن کی ڈیمانڈ نوٹ کر رہا تھا۔ میرے سامنے بار پر کافی کے دو خالی مگ پڑے تھے جن کے پینڈے میں کچھ مائع باقی تھا۔ یہ وہی کپ تھے جو کچھ دیر پہلے میرے اور نبر اس کے ہاتھوں میں تھے جب وہ مجھے اس بات پر راضی کر رہا تھا کہ مجھے کل کے میلے میں ضرور شرکت کرنی ہے کیونکہ اسکے کسی دوست نے اس میلے میں بلوچی برتنوں کی نمائش کرنی ہے اور نبر اس چاہتا تھا کہ اسکے دوست وہاں موجود ہوں تاکہ لوگ اس سٹال پر رش دیکھ کر اسکی طرف آئیں۔ اور نبر اس بعد میں اس سے کمیشن لے سکے۔ وہیں بار پر مگنز کے قریب اس کے سٹال کے چار پانچ پمفلٹ بھی موجود تھے۔

شاہس بھائی۔ یہ آپکے پیچھے والا بورڈ جھمکارے سے مارتا ہے۔ اسکو کب دیکھیں گے آپ؟ عارفین نے کپ ٹرے میں رکھتے مجھے یاد کروایا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

میں نے نیچے شیف سے نظر ہٹا کر اپنے پیچھے دیکھا جہاں چلتان کیفے کے بورڈ پر لگی کچھ بتیاں جلتی بھیجتی تھیں۔

"میں کل اسکو دیکھ لوں گا عارفین۔ کیا سب کسٹمرز کا آرڈر ہو گیا؟"

"جی بھائی بل بھی سب کا ہو گیا۔ یہ تو بس یو نہی بیٹھے ہیں اب۔" عارفین کے کہنے پر میں نے کیفے کی سپیس پر ایک نظر ڈالی۔ وہاں بس دو میزوں پر دو، دو لڑکے بیٹھے باتوں میں لگے تھے۔

"ٹھیک ہے بس تم جاؤ پھر۔ میں بند کر لوں گا کیفے۔" میں نے اسکو کہتے دوبارہ سے ڈائری پر نظر ڈالی۔ کیا سب لکھ لیا تھا لسٹ میں؟

اتنے میں کیفے کا دروازہ کھلا۔ میں نے نظر اٹھائی۔

"یہ؟" میں نے ایک لمحے میں اسکو سکین کیا۔ وہ پیلی پیروں کو چھوتی سکرٹ اور سفید موتوں والے ٹاپ میں ملبوس تھی۔ گلے میں پیلا سٹالر ڈال رکھا تھا۔ دائیں ہاتھ میں روز گولڈ چین وائچ پہن رکھی تھی۔

وہ چلتے چلتے میرے سامنے آکر بار سٹول پر بیٹھ گئی۔ دوسرے سٹول پر اپنا ہینڈ بیگ رکھا۔

"ایک ڈوپو" اسنے ایک ہاتھ سے سر کو دباتے اپنا سر بار کا ونٹر پر رکھ دیا جیسے وہ بہت تھک چکی تھی۔

میں نے جواب نہیں دیا۔ یہ بے یقینی تھی یا کیا۔

اسنے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اسکی آنکھیں۔ ایک شہد رنگ اور ایک جامنی۔ یہ کیسے ممکن ہے۔

"سر ایک ڈبل اسپرے سو" شاید اسے لگا کہ مجھے اسکی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔

نہیں میں اس کہانی کو آگے نہیں بڑھنے دے سکتا۔ یہ کوئی کہانی ہے ہی نہیں۔ یہ بس ایک اتفاق ہے اور اتفاقات کو صدیوں پر محیط نہیں کرنا چاہیے۔

"کیفے بند ہو چکا ہے۔" میری دو ٹوک آواز خود مجھے بھی اجنبی لگی۔

کایا

یہ آدمی پاگل ہے کیا؟ میں نے اسکی بات پر اپنے پیچھے ایک نظر ڈالی جہاں ابھی لوگ بیٹھے تھے اور اسے جتانے والی نظروں سے دیکھا۔ مگر دوسری طرف کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر میں نے دوبارہ کہا۔

"ٹھیک ہے آپ ڈسپوزیبل پارسل دے دیں۔ میں لے کے چلی جاتی ہوں"

میں جانتی تھی کہ آج کی رات ان بہت ساری انسویٹنگ راتوں میں سے ایک ہے اور کم از کم میں اس رات کو پورے دن کی خواری کے بعد سردرد کے ساتھ گزارنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ میری کافی دو بھی مجھے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"سوری میڈم۔ کچن بند ہو چکا ہے۔ اسٹاف جا چکا ہے۔"

کیسا بندہ ہے یار یہ۔ میں نے غصیلی نظروں سے اسے دیکھا مگر نظروں سے دماغ تک جانے والی انفارمیشن کے پروسیس ہونے کے بعد احساس ہوا کہ پیارا بندہ ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ میں نے حسین مرد نہیں دیکھے تھے۔ وہاں انطالیہ میں ایک سے ایک خوبصورت آدمی سے میرا واسطہ پڑ چکا تھا۔ میرے سامنے چہرے پر "کہہ دینا نہیں تو نہیں" والے تاثرات لیے کھڑے چھ فٹ سے نکلتے قد والے اس شخص کی خاص بات اس کی بنفشی آنکھیں تھیں۔ جن کو دنیا ریڈ آئی بھی کہتی ہے۔ میری اپنی آنکھوں کا رنگ اتنا یونیک تھا کہ کبھی

کسی اور سے متاثر ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ تیس بتیس سالہ، گورارنگ اور چہرے پر ہلکی داڑھی، ماتھے پر آئے کالے سلکی بالوں، آنکھوں میں سختی لیے کھڑا وہ شخص فی الحال سر درد کے باوجود میرے اعصاب پر سوار ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے کہ میں اسے کچھ سخت کہتی کیفے کا دروازہ کھلا۔ اسکی کی نظر میرے پیچھے آنے والے ہر ٹھہر گئی۔

"اسوقت تم یہاں؟" اسنے حیرانی سے پوچھا۔

"جی۔" میں آواز پر پیچھے گھومی۔ "یہ آپکا موبائل گاڑی میں رہ گیا تھا میم مرانیہ" وہ مسکراتے ہوئے موبائل اٹھائے میری طرف بڑھی۔  
موبائل مجھے پکڑا کر وہ اس شخص کو کہنے لگی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یہ میری نئی سائیکالوجی ٹیچر ہیں۔ امید ہے آپ خیال کریں گے۔"

وہ اسکو کہتے ہوئے مجھے ہاتھ ہلاتی باہر چلی گئی۔ میں تذبذب سے واپس مڑی۔ اس شخص کے ماتھے کے بلوں میں خاطر خواہ اضافہ ہو چکا تھا۔

"مجھے پندرہ منٹ دیں" کہتے ہوئے وہ کافی مشین کی طرف بڑھا۔

دس منٹ بعد اس نے میرے سامنے ڈسپوزیبل کپ رکھا۔

پیسے میز پر رکھ کر میں شکریہ کیے بغیر ہی کپ اور بیگ اٹھائے باہر نکل آئی۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے تک میں اپنی پشت پر اسکی نظریں محسوس کر سکتی تھی۔

شاہس

"یہ سب آخر آپ کیا کر رہے ہیں بابا؟" میں نے دوسری منزل پر موجود لائبریری کا دروازہ جھٹکے سے کھولتے ہوئے کہا۔ رات کو گھر آتے ہی میں سب سے پہلے یہاں موجود تھا۔

"کیا بیٹے؟" ابصار صاحب نے چمکتی شیشم سے بنی میز کی دراز میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے سر اٹھا کر نا سمجھی سے پوچھا۔

"آپ نے اسے کیفے پر بھیجا۔ آخر کیوں؟" میں ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا اور بابا کو دیکھو۔

"تو تم ملے اس سے۔" یہ کوئی سوال نہیں تھا۔ ابصار نے اطمینان انگیز حیرانی سے ایسے کہا تھا کہ دیکھا۔

میچک۔

"سٹاپ دس پلیز۔" میں نے سر جھٹکتے ہوئے کہا اور واپس جانے کے لیے دروازے کا ناب گھمایا۔

"لیکن میں نے کسی کو کہیں نہیں بھیجا۔"

دروازہ بند کرنے سے پہلے انکی آواز آئی مگر میں ان سنی کرتے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"شاہس۔۔۔۔" وہ شاید میرے پیچھے آرہے تھے۔

"بہناز۔۔۔۔" میں نے سیڑھیوں سے اترتے آواز لگائی۔

"بہناز۔۔۔۔" کہاں ہو "کچن میں جھانکتے میں نے مزید اونچی آواز میں کہا۔ ساتھ بنے کمروں پر ایک نظر ڈالتے میں لاؤنج کی طرف بڑھا۔

"شاہس۔۔۔" رکو "بابائیچے آچکے تھے۔

"بہناز۔۔۔۔" میں اس بار اتنی زور سے بولا تھا کہ گھر کے کونے کھدروں میں چھپے کاکروچوں اور چوہوں تک بھی ضرور آواز گئی ہوگی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"شاہس کیا ہوا۔ گھر میں ایسے کیوں چلا رہے ہو" ایشتم نے کروشیہ سائیڈ پر رکھتے ہوئے قدرے ناگواری سے کہا۔

"اسکو چلانے کے علاوہ کہاں کچھ آتا ہے گھار۔ بہنہ" گرزین نے منہ مزید کتاب میں ڈالنے سے پہلے طنز کرنا ضروری سمجھا۔

"شاہس۔ آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ آؤ۔" میں بابا کی طرف مڑا مگر وہ کہتے ہوئے لاونج میں رکھے صوفوں کی طرف بڑھ گئے جہاں ایشتم اور گرزین بیٹھی تھیں۔

اتنے میں پیچھے سیڑھیوں سے بہناز بلوچی فراک پہنے نیچے اتری۔ وہ کندھوں سے چھوٹے کالے بالوں والی بہت پتلی سی لڑکی تھی جس کے چہرے پر اس وقت شاید میری اتنی اونچی پکاریں سن کر بدحواسی طاری تھی۔

"کیا ہوا بھائی؟ کیا مسئلہ ہے؟"

"تم نے مرانیہ کو کیفے بھیجا؟" میں نے اس سے بہت سنجیدگی سے پوچھا۔

ایک دم اسکے چہرے پر خوشی اور حیرانی چھلکی۔

"نہیں تو۔"

بہناز۔۔ "میں نے اسے تنبیہی انداز میں دوبارہ پوچھا۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں بھائی۔ خدا کی قسم میں نے ان کو نہیں بھیجا۔ کیا آپ دونوں کی بات ہوئی؟" وہ پر جوش انداز میں

کہتی لاونج میں بنی دو سیڑھیاں نیچے اتری۔ ایک تو اس لڑکی کی قسمیں۔

"کیا چل رہا ہے شاہس؟" ایشتم اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔



میں نے پلٹ کر سب کو دیکھا۔ بابا بڑے صوفے پر آگے ہو کر ایک ہاتھ کی مٹھی بنائے ہوئے ہونٹوں پر رکھے بیٹھے تھے۔ گرزین سائیڈ پر رکھے سنگل صوفے پر کتاب سے جھانکتے مجھے دیکھ رہی تھی۔ ایشتم منی پلانٹ کے پاس میرے جواب کی منتظر کھڑی تھی۔

میں نے دو انگلیوں سے اپنی آئی بروز کو دباتے ہوئے ایک لمحہ سوچا۔

"دیکھیں۔" میں دو قدم آگے بڑھا۔

"آپ سب ایک خواب دیکھ رہے ہیں۔" میں نے سنجیدگی سے بابا کو دیکھتے کہا۔

"ہر کسی کو اجازت ہے وہ جو بھی چاہے، سوچے اور کرے۔ سب آزاد ہیں اور میں اس بات کی قدر بھی کرتا ہوں۔" میں نے ایشتم کی جانب دیکھا۔

"لیکن میں اس خواب میں کہیں نہیں ہوں۔ میں اس سب کا حصہ نہیں بننا چاہتا۔ بس بہت ہو گیا۔ میرے بارے میں بھول جائیں۔ سب سمجھ گئے؟ میں دو ٹوک انداز میں کہتے واپس بہناز کی طرف پلٹا۔

"میں کسی کا دل نہیں توڑنا چاہتا نازی۔ ٹھیک ہے؟" میں نے نرم تنبیہ کی۔

"میری طرف ایسی نظروں سے مت دیکھیں برو۔ قسم سے میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ انہوں نے صرف کہا تھا کہ انکو کسی کینے پر اتار دیں۔ اب شہر میں سب سے اچھا کینے آپکا ہے تو میرا کیا قصور۔" بہناز نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

"کسی نے کچھ نہیں کیا شاہس۔ اس ملاقات کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے۔"

میں اپنے پیچھے بابا کی آواز سن کر طنزیہ مسکرایا۔

"اٹس فیٹ۔ رائٹ؟"

"It's fate. Right?"

میں نے مڑے بغیر کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ کم از کم میں اس وقت مزید کسی بحث کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔



کایا

اسوقت شام کے سات کا وقت ہو گا۔ آج کا سارا دن مطلع ابر آلود رہا اور وقفے وقفے سے ہلکی بارش ہوتی رہی تھی۔ گویا موسم خوش گوار رہا۔ کیونکہ آج کا دن اچھا تھا تو میں اسوقت قدرے بے فکری سے اس ہجوم میں گھوم رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا پورا شہر ہی میلے میں اٹھ آیا ہے۔

یہ سب شہر میں منعقد ہونے والا سالانہ میلہ تھا۔ اس میلے کی خاص بات یہ تھی کہ یہ صدیوں سے منعقد ہو رہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس کی تاریخ کم و بیش چھ سو سال پر محیط ہے۔ سب میلے کی ایک حیرت انگیز اور خاص بات یہ بھی ہے کہ جب بھی اس میلے کی تاریخوں کا اعلان ہوتا ہے، تو بارش ہو جاتی ہے۔ گرد آلود ہوائیں چلتی ہیں یا پھر دونوں چیزیں یکے بعد دیگرے اپنا کمال دکھاتی ہیں۔ انتظامیہ نے متعدد بار تاریخوں میں رد و بدل کر کے بھی دیکھ لیا، لیکن جو بھی تاریخیں مقرر ہوئیں، اُس دوران بارش ضرور ہوئی۔ یہ سب معلومات مجھے میڈم دُرنا نے آج دن کو کلاس کے بعد دیں تھیں اور کہا تھا کہ میں ضرور انکے ساتھ ہی شرکت کروں۔

میرے موڈ کے خوشگوار ہونے کی ایک وجہ موسم کے علاوہ میڈم کی وہ آفر بھی تھی جو انہوں نے آج دن کو مجھے کی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ میں پاکستان میں ہونے والی ایک ریسرچ میں انکی ٹیم کے ساتھ کام کروں جو کیمکل چینجز کی وجہ سے ہونے والی نفسیاتی بیماریوں کا تناسب وضع کرے گی۔ اس کے لیے وہ ڈین سے اجازت لے چکی ہیں اور اگر میں رضامندی ہوئی تو میرے تین ہفتے کے ٹرانسفر کو وہ دو مہینے تک بڑھوا لیں گی۔ یہ ریسرچ میرے ماسٹرز کے تھیسس میں بے حد مددگار ثابت ہوتی اس لیے میں انکو اوکے کا عندیہ دے چکی تھی۔ مزید یہ کہ کل میں اس گھٹن زدہ لاج سے ایک بہتر ہوٹل میں شفٹ کرنے والی تھی۔

یہاں وہاں انکے ساتھ گھومتے لوگوں کے شور کے علاوہ میرے کانوں میں جگہ جگہ قالین بچھائے بیٹھے آدمیوں کے سازوں کی آوازیں بھی پڑ رہی تھیں۔ میڈم مجھے بتا رہی تھیں کہ بلوچی قبیلے اپنی تاریخ و ثقافت کی داستان گوئی کے لیے ٹرٹسر کا استعمال کرتے تھے۔ ٹرٹسر کو اس خطے کی ثقافت کا ایک اہم حصہ کہا جاتا ہے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

کچھ دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ میں ان سے کافی آگے نکل آئی تھی۔ وہ پیچھے رک کر کسی اسٹال سے کچھ خرید رہی تھیں۔ میں مزید آگے بڑھی تو ایک اسٹال پر ایک عورت کچھ انٹیک زیور فروخت کر رہی تھی۔ اسکے ہاتھ میں ایک عجیب سے نیلے پھول والا میٹل چین نیکس تھا۔

دودل جو یک مشت دھڑکتے تھے۔

کسی انجان جنت میں بستے تھے۔

دبے پاؤں دھوکہ ایک دل میں آیا۔

اعتماد چرایا، غم دو بے میں بھر آیا۔

تم سمجھتے ہو انکوبس پرانی پیش گوئیاں

مگر تم جان جاؤ گے، گر تم جان پاؤ گے

کیا محبت شاہمران کو واپس مجسم کرے گی

یا شاہمران محبت کو پھر سے معتبر کر دیں گے۔

میں غیر ارادی طور پر اسکی پر تجسس آواز میں پڑھی گئی نظم سننے رک گئی تھی۔ مگر جب اسنے مسکراتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ "کیا تم یہ ٹرائے کرو گی؟" تو میں نے فوری نفی میں گردن ہلائی۔

"محبت کو انکار کہہ رہی ہو یا نیکیس کو؟"

"آپ یقیناً ایک اچھی سیلر پرسن ہیں مگر میں ان سب باتوں اور فیری ٹیلز پر یقین نہیں کرتی۔"

میں آگے بڑھنے لگی مگر۔

"رکو۔ رکو۔ یہ میں بیچ نہیں رہی اسے تحفہ سمجھ کر رکھ لو۔ کیا پتا تم جس چیز پر یقین رکھتی ہو وہ سچ ہو جائے۔"

ہاں؟ "وہ منوانے والے انداز میں بولی۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ اسی کو تو آج کل کے انسٹانفلو منسرز مینیفیسٹیشن کہتی ہیں۔ خود کو خود پورا کرنے والی پیشگوئی۔ جس میں حالات انسان کے اپنے عقیدے اور سوچ کے مطابق توقعات پر پورا اترتے ہیں۔ حالانکہ سچ تو یہ ہوتا ہے کہ انسان خود ہی ایسے رویے اور پیڑن اختیار کرتا ہے کہ ریزیلٹ میں اسکی توقعات بالکل سہی ثابت ہو جاتی ہیں۔ بالکل ایسے جیسے اب آپکی توقعات کے مطابق میں یہ نیکلس آپ سے خریدنے والی ہوں۔" میرا موڈ واقعاً اچھا تھا جو میں نے اتنا لمبا جملہ بولا تھا۔ بلوچی پھٹک والی لمبی قمیض پہنے اس عورت کے چہرے پر نا سمجھی کا تاثر تھا۔

میں نے اسے پیسے دے کر وہ نیکلس وہیں کھڑے کھڑے پہن کر اسٹال پر لگے آئینے میں دیکھا۔ سرخ پھولوں والی سبز سکرٹ اور کالر والے سرخ ٹاپ کے ساتھ گردن کی ہڈی پر وہ نیلا پھول کافی اچھا لگ رہا تھا۔ بالوں کے جوڑے سے چند گھنگھریالی لٹیں میری گردن اور چہرے پر آرہیں تھیں۔

میں اسی سیدھ میں آگے بڑھنے کے بجائے الٹے ہاتھ پر موجود سڑک کی طرف چلنے لگی۔ وہاں چند لڑکے آگ کے گرد گروہ کی شکل میں رقص کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک لڑکا ساز کے ساتھ بہت اونچے اونچے نعرے مار رہا تھا۔ دیکھنے میں ہی شرارتی معلوم ہو رہا تھا۔ اسنے گہری نیلی جینز پر ہلکی نیلی گول گلے کی کھلی سی شرٹ پہن رکھی تھی۔ گلے میں موجود سلور چین اسکے رقص کے ساتھ ہل رہی تھی۔ میں کچھ لمحے اسے دیکھنے کے بعد آگے بڑھ گئی۔

اچانک میری نظر سامنے سے آتے جر جیس پر پڑی۔ اسکے ساتھ ایک مرد اور عورت اور بھی تھے۔ جر جیس چند لمحے مجھے دیکھتے رہنے کے بعد وہاں سے ہی پلٹ کر واپس مڑ گیا۔ وہ عورت اور مرد مجھے دیکھتے اسکے پیچھے جانا چاہتے تھے مگر وہ ہجوم میں گم ہو چکا تھا۔

میں نے سر جھٹکا اور اگلے اسٹال سے آئس کریم کا ایک کپ خریدا۔ پیچھے مڑتے اپنے سے کچھ فاصلے پر بہناز اور اسکے بابا کو دیکھا۔ انکے ساتھ خوبصورت بند چاکوں والی قمیضیں پہنے دو لڑکیاں اور بھی موجود تھیں اور وہ ہنس کر کسی لڑکے سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ بہناز کے ہاتھ میں مٹی کا کوئی برتن تھا۔ وہ لڑکا اسکے ہاتھ سے وہ برتن لیتے واپس سٹال پر رکھنے مڑا تو وہ وہی کیفے والا لڑکا تھا۔ یقیناً وہ انکا بھائی تھا۔ چہرے کے نقوش بہت مل رہے تھے۔

اتنے میں جر جیس کے ساتھ والے مرد اور عورت میرے پاس چلے آئے تھے۔ میں نے ہاتھ میں پکڑے کپ سے آئس کریم کا چمچ منہ میں رکھا۔ ہیزل نٹ میری زبان پر گھل کر مرے دماغ کو سکون دے رہا تھا۔

"امید ہے تم یہاں مزے کر رہی ہو گی۔" اس عورت نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بے شک! تھینک ہو۔ میں آپکی کیا مدد کروں؟" میں نے لاپرواہی سے کہتے ایک اور چمچ بھر کر منہ میں رکھا۔ میں آنکھ کے کنارے سے ان کے پیچھے دیکھ سکتی تھی۔ وہ کیفے والا لڑکا میری طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"میں امیر ہوں۔ یہ میری عورت" عورت نے اسکو کندھا مارا۔ "مطلب میری بیوی امینہ۔ ہم جر جیس بابا کے ساتھ رہتے ہیں۔"

"بہت اچھے گڈ۔ مل کر خوشی ہوئی۔" میں نے ایک اور چیچ بھرا۔ میری لاپرواہی کو دیکھتے وہ دوبارہ بولا۔  
 "سنو تم! بڑے شہر کی لڑکی۔ میں نے تمہیں کل گھر سے نکلتے دیکھا تھا۔ جر جیس بابا نے پوری رات کرسی پر خاموش بیٹھے گزاری ہے جیسے گوند سے چپک گئے ہوں۔ ہمیں پتا ہے یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے مگر۔۔۔"  
 "اصل میں سر!" میں نے کپ کو کچھ دور پڑے ڈسٹ بن کی طرف اچھالا۔ "آپ بالکل ٹھیک سمجھے۔ یہ آپکا مسئلہ نہیں ہے۔" میں سخت لہجے میں کہتے ہوئے وہاں سے جانے لگی جب امینہ نامی عورت دوبارہ بولی۔  
 "یہ ایک طرح سے ہمارا مسئلہ ہے۔ ہم خاندان کی طرح ہیں۔ ہم تربت سے ہیں۔ ایک بہت خطرناک جگہ۔ وہاں بہت بچے ہیں مگر بڑے ہونے کے لیے وہ کوئی اچھی جگہ نہیں ہے۔ ایک بار وہاں چلے گئے تو واپس باہر نکلنا ناممکن ہے۔" وہ بول رہی تھی مگر میری نظر پیچھے تھی جہاں وہ نیلی جینز والا شرارتی لڑکا اب اس کیفے والے لڑکے کے ساتھ کھڑا کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

"اسلیے اگر وہاں کوئی پیدا ہوا جائے تو کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ یہی اسکا بخت ہوتا ہے۔" وہ آدمی امیر بولا۔  
 "جر جیس بابا نے ہمیں وہاں سے نکالا۔ ہم بخت والے تھے۔ ہم نے جو بھی سیکھا۔ اخلاق، اصول، باغبانی، سب ان سے سیکھا۔ کیا تمہیں پتا ہے انہوں نے ہمیں اور کیا سیکھایا؟" وہ عورت تیز لہجے میں بول رہی تھی۔ جب میں نے اسکی بات کاٹی۔



کیا؟ محبت۔ ہنہ "میں نے استہزائیہ سر جھٹکا۔

"اس نے تمہیں محبت سیکھائی۔ ہے نا؟ یہ بہت اچھی کہانی ہے۔ سچ میں۔ مگر مجھے معاف کرنا۔ میں اس سب پہ یقین نہیں کرتی۔ ناؤ ایکسیوزمی!"

میں نے بات ختم کرتے ان کے تاثرات دیکھنے کی کوشش نہیں کی اور آگے بڑھ گئی۔

چند قدم چل کر مجھے احساس ہوا۔ کیفے والا لڑکا سامنے ہی کھڑا تھا۔

اس ہجوم میں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے، ہماری آنکھیں پہلی بار ملیں۔ اس کی گہری بنفشی نگاہیں میری آنکھوں سے ملیں اور میں نے اپنے جسم میں حدت کی ایک لہر محسوس کی۔ میری آنکھیں ایسا لگتا تھا جیسے کوئی طوفان چھپا رہی ہوں۔ اُس کی آنکھوں نے مجھے اُس شدت سے جکڑ رکھا تھا کہ مجھے اپنا دل ہاتھوں میں دھڑکتا محسوس ہوا۔ عام حالات میں، میں اس طرح کسی کے گھورنے پر اسکے ساتھ اچھی خاصی تمیز سے پیش آسکتی تھی۔ میں نے کوشش کی، نظریں ہٹانے کی، لیکن میں نہیں کر سکی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ میری آنکھوں کے ذریعے، میری بے چین روح تک اتر رہا تھا۔ میرے ارد گرد کی ہوا تک خاموش لگ رہی تھی۔ لوگوں کی آوازیں پس منظر میں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔ وقت ساکت کھڑا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھلی۔ میں نے خود کو کمزور محسوس کیا۔ اس کی آنکھوں میں ہزاروں ان کہے الفاظ، صدیوں کے وعدے، زمینی راز اور خواہشیں سمٹی ہوئی تھیں۔ یہ کچھ خلودی لمحے سالوں پر بھاری تھے۔ اچانک مجھے لگا جیسے میرے دائیں طرف سے ہوا کا تیز جکھڑ آیا ہے۔

میں نے بہت کوشش سے اپنی نظروں کو زمین پر جھکایا۔ نظر کا تعلق ٹوٹ گیا۔ پھر اپنے دائیں طرف دیکھا۔ وہاں چند قدم دور آگ کا ایک بہت بڑا لاؤروشن تھا۔ جس کے آس پاس لوگ آ جا رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس الاؤ میں بہت سارے سانپ ایک ساتھ پھنکار رہے ہوں۔ اس الاؤ میں عجیب سی کشش تھی۔ جیسے وہاں کوئی میرا نام پکار رہا ہو۔

"مرانیہ..." سانپ کی پھنکار جیسا۔

کچھ لمحے پہلے کافسوں غائب ہو چکا تھا۔ میں آگ کی طرف بڑھی۔ اچانک آسماں سے تیز جھڑی کی صورت بارش برسنے لگی۔ لوگ یہاں وہاں پانی سے پناہ کے لیے بھاگنے لگے۔

"مرانیہ...." اس آگ میں کوئی مجھے جلتے لہجے میں پکارتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ کوئی ان دیکھی قوت مجھ پر حاوی تھی جس کی وجہ سے میں اس آگ کے بے حد قریب چلی آئی تھی۔ لوگوں میں بدستور افراتفری پھیلی تھی۔ میرے بال گیلے ہو کر میرے رخساروں پر چپکے تھے۔

اچانک بارش تیز ہوئی اور آگ میرے چاروں طرف پھیل گئی۔ وہاں باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

"ہیلپ" میں چیخی۔

"مرانیہ" وہ آواز بہت قریب تھی۔ جیسے میرے اندر ہو۔

"مدد کرو" میں دوبارہ مزید زور سے چیخنی مگر آگ کے شعلوں کی بلند ہوتی چھنگاڑوں اور گرجتے بادلوں نے میری آواز کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے خرید اگیا وہ نیکس شدید گرم ہو کر میری گردن جلارہا تھا۔ زمین پر ٹھوکر کھا کر گرنے کے بعد میں نے اسے جھٹکے سے اپنی گردن سے اتارتے دور پھینکا تھا۔

ہوا دھویں اور اوزون سے بھری ہوئی تھی۔ جلتے ہوئے انگارے اور گیلی زمین کی بدبو میری افراتفری کی سانس پر حاوی تھی۔ اس قلیل لمحے میں، میں نے پہلی بار آگ اور بارش کو ایک ہوتے دیکھا۔ میں نے اپنی ڈھڑکن کو مدھم ہوتے سنا۔ ایک مسحور کن اور خوفزدہ کرنے والی طاقتور قوت جو بنیادوں کو ہلارہی تھی۔ جو موت کو بہت قریب دکھا رہی تھی۔

"میں ہوں یا میرے ٹوٹے خواب، دونوں کو ایک نئی دنیا کی ضرورت ہے۔"

میں زمین پر مٹی میں پڑی ہوں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE میں مر رہی ہوں۔

اور پھر بھی میں دیکھ سکتی ہوں۔

وہ میری طرف چلتا آرہا ہے۔

کیا وہ مجھے بچائے گا؟

وہ چلتا چلتا میرے سامنے آڑکا۔ آنکھیں بند ہونے سے پہلے میں نے دیکھی۔ اسکی بالوں والی کلائی۔ اسنے ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ کلائی کی سیدھی طرف ہلکا سا نشان تھا۔

انفینٹی سنیک ٹیٹو۔

Infinity snake tattoo

بے حد چھوٹا اور مدھم۔

زہن پر چھاتے اندھیرے میں وہ نشان چمکتا رہا۔

(جاری ہے)

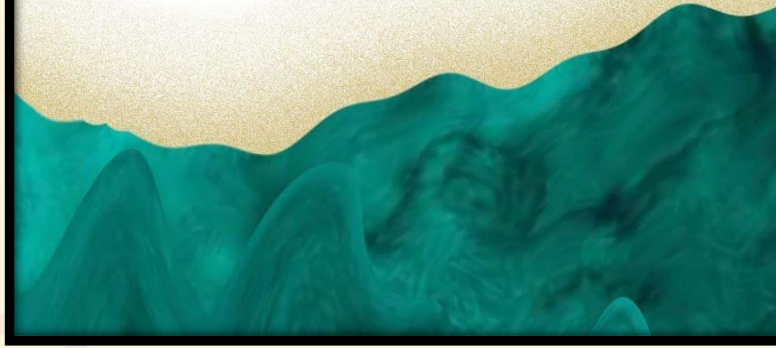
Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

باقی آئندہ قسط میں

# پل صراط

عنیزہ زاہد



"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہونا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آجائے گی۔' اس کے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

ایسین فتح



# ابراہیم

"یہاں دستخط کرو غازہ ! " کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بڑی طرح کانپنے لگے۔ وہ تو با آسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آدھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی حسرت میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! " سیکم کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔ "بچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سیکم ! اور یہ نیا ادھر رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہنے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمینڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو پیٹتے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔



Click here

safareadab.com



دنوشہ آرزو

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ج جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگ حب الہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکراتے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے توجہ جھانکے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پریقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ناپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آخر۔۔۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ در اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا بیٹا؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ!!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آچکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے بلیٹی اور حسن خان وہیں دل تمام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے سہنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

Click here

safareadab.com

وراثت

فاطمہ ملک



## ناول غمزاہ عشق کی دیک جھلک

"طیبہ سنو! یہ کیسا لگے گا مجھ پر"۔ اسے طیبہ تو  
نظر نہیں آئی مگر اسے وہی آنکھیں دکھیں، وہ  
سبز رنگ آنکھیں، جن کی وجہ سے پہلی مرتبہ  
اس کے دماغ نے سوچنا بند کر دیا تھا اور اب، اب  
اس کے دل کی دھڑکن ایسے ہو رہی تھی جیسے  
کوئی زور زور سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔ وہ فراق کو  
واپس رکھ کر اس شخص کی طرف بڑھی۔ اس  
شخص نے آج بھورے رنگ کی بٹنوں والی شرٹ  
پہنی ہوئی تھی، آستین کہنیوں تک موڑی ہوئی  
تھیں۔ بال جیل سے سیٹ تھے اور چہرہ رعب  
دار۔ ہاتھ میں قیمتی گھڑی دیکھ کر معلوم ہوتا تھا  
کہ اس شخص کو گھڑیوں کا شوق ہے۔  
وہ بے اختیار اس شخص کے قریب جا پہنچی، اس  
شخص نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، اسے یہ  
نہیں پتا تھا کہ اس کی ایک نظر سامنے کھڑی لڑکی  
کے دل میں کتنے گھاؤ کرے گی، ملائکہ بنا کچھ کہے  
اسے تکتی رہی۔

Safar-e-Adab  
BEING THE STRING OF YOUR KITE

عشق  
غمزاہ

زینب آصف

"بھائی یہ دیکھیں..." ہدین ہاتھ میں سوٹ لے کر اسے دکھانے آئی تھی لیکن جو اس نے دیکھا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ملائکہ... تم... یہاں؟؟؟" ملائکہ ہوش میں آئی اور ہدین کو دیکھا۔ وہ ہڑبڑا گئی۔ "آ... وہ.. میں نے ان کو کل کالج کے باہر دیکھا تھا تمہارے ساتھ، آج یہاں دیکھا تو مجھے لگا تم بھی آئی ہو گی۔۔۔" ملائکہ کو اپنی حماقت پر بہت افسوس ہوا۔

"ٹھیک ہے ملائکہ بائے۔۔۔ چلیں بھائی اسکی پیمنٹ کر دیں..." ہدین ملائکہ کو ہاتھ ہلاتی ہوئی کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ ملائکہ صرف شمال کی پشت کو تکتی رہی۔

"اتنی بھی جلدی کیا تھی..." ملائکہ من ہی من میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی۔ ملائکہ کو احساس ہوا کہ اس کے کندھے کو کوئی تھپتھپا رہا تھا، پیچھے مڑ کر دیکھا تو طیبہ تھی۔

"کہاں گم ہو؟؟؟ کہیں بھوت تو نہیں دیکھ لیا تم نے؟؟؟ چہرہ دیکھو تمہارا ایسا لگ رہا ہے جیسے لال پیمنٹ سے منہ دھو کر آئی ہو" طیبہ ملائکہ کو دیکھ کر ہنستے ہوئے بولی۔ ملائکہ نے اپنے گالوں کو

چھوا۔

"یہ میرے بڑے بھائی ہیں شمال، یہ اسی سال لندن سے اپنی سٹڈیز کر کے آئے ہیں، اور بھائی یہ.. ملائکہ ہے.. میری کلاس میٹ..."

"اور دوست بھی.. ملائکہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اچھا.." شمال بس اتنا بول کر مسکرا دیا۔ اسے پہلی مرتبہ ملنے پر اتنا فرینک ہونا پسند نہیں تھا اور وہ بھی اس کی بہن کی دوست، بالکل نہیں۔ ملائکہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

[safareadab.com](http://safareadab.com)



سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کارروائی کی جاسکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب